علومِ حدیث میں مہارت ...... ایک بڑی علمی ضرورت!

مولانا عبدالسلام
دوسری قسط:

متخصص فی الحدیث، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی، کراچی

علمِ حدیث سے بے توجہی برتنے کے اسباب:

اکثر و بیشتر طلبہ برادری میں جب کسی کو علومِ حدیث کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، اس میں خصوصیت کے ساتھ لگنے کی رائے دی جاتی ہے تو سامنے سے بے التفاتی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، بیسیوں تو اپنی جہالت و کاہلی پر پردہ ڈالنے کے لئے یوں حجت بازی کرنے لگتے ہیں:

''اس زمانہ میں علومِ حدیث پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، تمام احادیث کتابوں میں مدّون ہو چکی ہیں، صحیح اور غیر صحیح ممتاز کر دی گئیں ہیں، راوی پر جو کلام ہوا ہے وہ کتابوں میں مذکور ہے، مجروح وغیرہ مجروح رجال شناخت ہو چکی ہے۔''

گویا باقاعدہ علومِ حدیث پڑھنے لگ جانا ایک طرح کا محدث و مجتہد بننے کے مترادف خیال کرتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ یہ پیغام و دعوت ائمہ فن کی اتباع سے نکلنے کی نہیں اپنی جہالت مٹانے کی ہے۔

پھر دنیا میں کوئی فن ایسا نہیں جس میں کتابوں پر کتابیں اور دفتر کے دفتر نہ لکھے گئے ہوں، تدوین سے لے کر تکمیل تک اور ابتداء سے لے کر عروج و ترقی کی چوٹیوں کو سر کرنے تک کی تاریخ مرتب نہ ہو، اس کے منظر و پس منظر پر اربابِ قلم نے خامہ فرسائی نہ کی ہو، صرف و نحو کی کونسی سی جزی ایسی ہے جو کتاب میں موجود نہیں؟ ایک ایک حرف و کلمہ کے ساقط ہونے اور واپس ہونے کی علت و وجہ اصول و قواعد، غرض یہ کہ کوئی لازم و متعلق اور کوئی نکتہ ایسا نہیں جو کتاب میں موجود نہ ہو!

ذرا علمِ فقہ کی سرزمین پر نظر دوڑائیں! کہیں تصانیف کے لمبے چوڑے باغات نظر آئیں گے جن کے ایک ایک درخت میں ہزاروں پتے ہوں، تو کہیں ایسا چمنستان بھی نظر آئے گا جس کی دلربا خوشبو سے کبھی ہم محظوظ نہیں ہوئے ہونگے اور جس کے خوش منظر و خوب صورت پھولوں کے ناموں سے ہمارا حافظہ لاعلمی کا اظہار کرے گا!

خاموش اور دھیمی دھیمی رفتار سے بہنے والے چشموں کا ایک طویل سلسلہ بھی سامنے آئے گا جس کے گھاٹ خالی اور ویران ہوں گے، جو اپنے سرگرداں اور پیاسے عاشقوں کی پیاس بجھانے کے منتظر ہوں گے (۲۹)۔

سوال یہ ہے کہ جب ''علم فقہ'' میں اتنی کتب موجود ہیں جن کے نام لیتے لیتے آدمی تھک جاتا ہے، پھر کیوں اس کو پڑھا جاتا ہے اور اس میں خصوصیت پیدا کی جاتی ہے؟ حالانکہ ہماری پیدائش فقہ میں ہوئی ہے، اسی میں پل رہے ہیں، لیکن کسی سے حرف، غلط کی طرح نہیں سنا گیا کہ ''علمِ فقہ'' پڑھنے پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں (۳۰)۔

ایک بڑی خوش فہمی:

ہم اس خوش فہمی کے شکار ہیں کہ علماء نے ''علوم حدیث'' کو صاف ستھرا کر کے پوری وضاحت کے ساتھ کتابوں میں جمع کر دیا ہے، اور ایک ایک حدیث اور راوی حدیث کو نقد و تمحیص کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح اور غیر صحیح میں حدِ فاصل قائم کر دی ہے، لہٰذا جب بھی ہم کسی حدیث کو بیان کرنا، یا اس سے استدلال کرنا چاہیں گے (چاہے کسی بھی موضوع کے متعلق ہو) تو کتاب کھول کر دیکھیں گے۔ چنانچہ اس حدیث کے حکم، صحت، حسن اور ضعف کے اعتبار سے اس کے درجے، اس سے مستنبط شدہ مسائل و احکام اور فوائد و آداب کے متعلق ایک منقح و واضح اور ایک عام فہم و فیصلہ کن قول مل جائے گا۔

اب کیا ضرورت ہے ہر حدیث و راوی حدیث کی چھان پھٹک کرنے اور گھر بار چھوڑ کر ''اہلِ فن'' کی خدمت میں پڑے رہنے کی؟!

اسی طرح موضوع روایات کی اپنی کتابیں ہیں، شاذ و معلل احادیث کی کتابیں الگ ہیں اور یہی حال ہے ''فن اسماء الرجال'' اور ''فنِ جرح و تعدیل'' کا۔ لیکن یاد رکھنا یہ خوش فہمی نہیں بلکہ ایسی فاسدہ و خطرناک غلط فہمی ہے: جس نے علم کے سوتوں کو خشک کر دیا ہے! ''علومِ حدیث'' کسی ایک فن کا نام نہیں بلکہ (جیسا کہ میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں) حافظ ابن الصلاح کے قول کے مطابق پینسٹھ فنون کا مجموعہ ہے، ان فنون پر لکھی گئی کتابوں ہزاروں سے متجاوز ہیں، جن میں ایک کتاب بھی آپ کو ایسی نہیں ملے گی جس میں مذکورہ تمام چیزوں کے بارے میں حتمی فیصلہ موجود ہو۔

شیخ ناصر الدین البانی ایک مغالطہ!!:

بعض کوتاہ نظر اور ظاہر بین لوگ جو کتابیں جمع کر لینے یا عربی جاننے کو ہی علم سے تعبیر کرتے ہیں، مذکورہ سوال کے جواب میں ناصر الدین البانیؒ کا نام لیتے ہیں، جنہوں نے حدیث اور علومِ حدیث پر ضخیم کام کیا ہے اور منفرد و مزاج رکھنے کے باعث ایسے فیصلے صادر کر چکے ہیں جو صدیوں سے معمہ بنے ہوئے تھے۔

چنانچہ انہوں نے احادیث کے بیچ میں صحیح اور غیر صحیح کے عنوان سے نئی حد بندی کر دی، منطق، فلسفہ، اور سائنس میں نئی دریافت مہارت کی دلیل ہو سکتی ہے اور اس کو مثبت پیش رفت خیال کیا جاتا ہے، مگر یاد رہے! حدیث کا علم صرف اور صرف ماضی سے تعلق رکھتا ہے، گذری ہوئی امت کے مسلمہ ائمہ فن کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جانا ہی یہاں کمال شمار ہوتا ہے، نئی حد بندیاں اور دریافتیں قبولیت کی سند نہیں پاتیں۔

ناصر الدین البانی صاحب نے ''**سلسلة الأحاديث الصحيح**'' کا عنوان قائم کر کے اپنے زعم کے مطابق احادیثِ صحیحہ کو اس میں جمع کیا ہے، جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اسی طرح ''سلسلہ الأحادیث الضعیفہ'' کا مجموعہ بزعمِ خویش تیار کیا ہے، یہ سلسلہ بھی کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، لیکن یہ بات ہمیشہ کے لئے ملحوظِ خاطر رہے کہ کسی کتاب کی ضخامت، اس کے ساحرانہ نام اور بڑے بڑے عنوانات

سے متأثر ہوکر کبھی کبھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے ، بلکہ آنکھیں کھول کر دائیں بائیں بھی دیکھ لینا چاہیئے ، البانی صاحب کے مذکورہ سلسلے اور دیگر تخریجات کو دیکھ کر بہت سارے اہلِ علم بھی متأثر ہوجاتے ہیں، کیونکہ ایک غریب آدمی دولتمندی کے بارے میں صحیح تصور نہیں کرسکتا۔ان لوگوں کو خود تخریجاتِ حدیث ورجال سے واسطہ نہیں پڑا ہوتا اور نہ ہی ان مأخذ تک پہنچ پاتے ہیں جہاں سے البانی صاحب نقل کیا کرتے ہیں، ورنہ ان کو معلوم ہوجاتا کہ معرفتِ حدیث اور چیز ہے اور فہرست سازی اور!۔

البانی صاحب ایک جگہ ایک حدیث کو صحیح کہتے ہیں تو دوسری جگہ اسی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، شیخ حسن بن علی السقاف نے اپنی کتاب "تناقضات الألبانی الواضحات فيماله' فی تصحيح الأحاديث وتضعيفها من أخطاء وغلطات" میں اڑھائی سو سے زیادہ ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کو ایک جگہ میں البانی صاحب نے صحیح کہا ہے تو دوسری جگہ ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی طرح محمود سعید ممدوح نے البانی صاحب کی کاوشوں کی تردید میں "**التعريف باوهام من قسم السنن الى صحيح وضعيف**". **قسم السنن الى صحيح وضعيف**". (جس کی صرف چھ جلدیں منظرِ عام پر آچکی ہیں) لکھ کر ان کے اوہام اور خیالات وافکارِ شاذہ کو خوب عیاں کردیا۔البانی صاحب کے تناقضات اور کتب سے نقل کرنے میں حذف وتغیر اور قطع وبرید کا سلسلہ نہایت طویل ہے، شاید محققین کی کڑی گرفت ہی کو دیکھ کر ان کے متعلقین کو خیال آیا تو انہوں نے "**تراجع العلامة الألبانی فيما نص عليه تصحيحا وتضعيفا**".

کے نام سے ایک کتاب مرتب کرڈالی، جس میں ان اوہام کو جمع کیا گیا جس کے بارے میں البانی صاحب کے فیصلے، خام خیالی اور محض قیاس آرائی کے شکار ہوئے تھے اور یہ بات ان کو بھی یک گونہ تسلیم تھی مگر اس کا نام انہوں نے "**تراجع العلامة الألبانی فيما نص عليه تصحيحاً و تضعيفاً**". رکھ کر یہ تاثر دیا، بلکہ مقدمہ میں وضاحت بھی کردی کہ کوئی بھی صاحبِ فن رجوع کرلیتا ہے! لیکن وہ بھول گئے کہ یہ ایک دو یا دس پندرہ کی بات نہیں یہ تو سینکڑوں سے متجاوز ہیں، یہ مہارت کی علامت نہیں بلکہ جہالت کی دلیل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس نے بھی تحقیق کے میدان میں قدم رکھ کر اصول کی پابندی کرتے ہوئے علمی کام کیا وہ چاہے غیر مسلم اور کام ایک صفحہ کیوں نہ ہو اس کو بسر وچشم قبول کیا گیا، مگر اصول کو توڑتے ہوئے جس نے حدودِ انصاف کو پھلانگا اور جمہور کے دائرے سے نکل کر وحدت، تفرد اور شذوذ کا راستہ اختیار کرلیا، اس نے چاہے ایک بڑا کتب خانہ کیوں نہ لکھ ڈالا ہو تو اس کو نظر انداز کردیا گیا اور تحقیق کی دنیا میں اس کو سند کا مقام حاصل نہ ہوا، جاہلوں کی دنیا میں نام وشہرت پانا کب کسی کے کمال کو بتاتا ہے؟!۔

البانی صاحب صرف ایک مفہرس آدمی ہیں، یہی ان کا کارنامہ ہے، انہوں نے "سنن اربعہ" کو دو ٹکڑے کرکے ایک خطرناک بدعت کا ارتکاب کیا، جس نے ہر کس وناکس کو متقدمین کی کتابوں کے ساتھ کھیلنے اور ان کا حلیہ بگاڑنے کا راستہ دکھایا۔جو لوگ نئے عرب محققین بالخصوص سعودیین کی ایڈٹ کردہ کتابوں پر نظر رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ البانیت کس طرح ان مغرب زدہ جاہلوں میں عام ہوتی جارہی ہے، کسی حدیث وسند پر کلام کرنے کے لئے آخری حوالہ صرف اور صرف البانی کا سمجھا جاتا ہے، محدثین کی دنیا میں بھی یہ مقام

شیخین کے علاوہ کسی کو حاصل نہ تھا! باقی امت تو رہی الگ، البانی صاحب کی کتابوں اور تخریجات سے بطور فہرست استفادہ کرنا دوسری بات ہے۔

مولائے کریم کی عجیب کرشمہ سازی ہے جو لوگ نفس وخواہش کے مطیع بن کر حق سے منہ موڑنا چاہتے ہیں تو اللہ سبحانہ تعالیٰ بھی ان کو

"نطبع علی قلوبهم فهم لایفقهون".

کا مصداق بنا کر چھوڑ دیتے ہیں، بت پرستوں نے اپنے خالقِ حقیقی کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا تو رب کائنات نے ان کو ان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مورتیوں کے سامنے جھکا دیا!

ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کو نجانے کیا سوجھی خیر القرون کی پیروی کرنے کو ٹھکرادیا تو اللہ عزوجل نے ان کو ایسے لوگوں کے پیچھے ہنکایا جو خود نہیں جانتے تھے کہ وہ کس طرف کو نکلتے جارہے ہیں: آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔

عربوں اور پختونوں کا قول ہے: **فر من المطر وقام تحت المیزاب!**

بارش سے بھاگنا چاہتا تھا پرنالے کے نیچے رات آ گئی!

أعاذنا الله من شر هذه الفتنة الدهماء العمياء.

کتب حدیث کی نوعیتیں:

حدیث اور "علومِ حدیث" کا ذخیرہ کتابوں میں تو آ گیا مگر پھر بھی طریقہ اور کیفیت تصنیف کے اعتبار سے کم وبیش چالیس قسموں پر مشتمل ہے، جن میں صحیح وغیر صحیح دونوں قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں سوائے چند ایک کے، جب تک ان کے مصنفین کی اصطلاحات، قواعد واصول، اسلوب وانداز،، کتاب کا موضوع اور تصنیف کی کیفیت وطریقہ کار کا بخوبی علم نہ ہو تب ت ان سے استفادہ نہیں کر سکتے، ہر ایک کتاب کی الگ نوعیت ہے۔(۳۱)

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل المتوفی ۲۵۶ھ اپنی "صحیح" میں بسا اوقات ایک حدیث دسیوں مرتبہ لاتے ہیں۔ امام ابن الحجاج القشیر المتوفی ۲۶۱ھ اپنی "صحیح" میں بہت دفعہ صرف سند ذکر کرتے ہیں متن نہیں لاتے۔

علامہ نوویؒ المتوفی ۶۷۲ھ "مسلم شریف" کی احادیث کی تشریح کرتے ہوئے گاہے گاہے فرماتے ہیں:

"هذا سند البصريين ، ياهذا سند أهل الكوفة ، ياهذا مما انفرد به أهل المدينة"......

اسی طرح اور لطائف ذکر کرتے ہیں۔ ذرا غور کرنا چاہیئے کہ ان حضرات کا مقصود کیا ہے؟ کیا سمجھانا چاہتے ہیں؟ امام محمد بن عیسیٰ المتوفی ۲۷۹ھ اپنی "سنن" میں حدیث کے آخر میں "قال أبو عیسی" اور "وفی الباب" کے عنوان سے، امام سلیمان بن الأشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی "سنن" میں کبھی کبھار حدیث کے آخر میں "قال ابو داؤد" کے

عنوان سے کچھ کلام کرتے ہیں۔ان اقوال کو روایت کے قوانین اور ائمہ محدثین کی اصطلاحات کی روشنی میں سمجھنا ''اصولِ حدیث'' ہی پر موقوف ہے، صرف ترجمہ کرنے میں کون سی مشکل ہے؟ وہ تو نچلے درجات کا طالب علم بھی کر لے گا۔ (۳۲)

زبوں حالی!:

یہ علوم پہلے لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے، پھر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، عالم اسباب میں تغیرات آتے گئے، حالات نے پلٹا کھایا، ہوا نے رخ پھیرا، دھیرے دھیرے علوم بھی سینوں سے کتابوں کے طویل وعریض صحراؤں اور میدانوں کی طرف نقل مکانی کرنے لگے، قدرشناسوں نے بڑے زور وشور سے استقبال کیا، لیکن وہاں ''علومِ حدیث'' کو پہلے جیسے پڑوسی نہیں ملے۔ وعدہ نبھانے میں غفلت برتی گئی بے وفائی اور بے توجہی کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے، خزان نے ان علوم کی بہاروں کو بہت تیزی وتندہی کے ساتھ لپیٹ میں لیا، ''تاتار'' کی طوفانی ہواؤں نے بہت سارے دبستان اجاڑ دیئے، ان کے پودے اکھاڑ کر دریابرد کر دیے اور ماضی کا حصہ بن کر ایک ناقابلِ فراموش داستان بن گئے! اب ان کے آثار باقی ہیں نہ کوئی نشانی!۔

یہ صرف ایک داستان نہیں بلکہ یہ تو زنجیر کی ایک کڑی ہے، وہ بھی ایک دور تھا جب یہ سارے علوم سورۃ فاتحہ کی طرف نوکِ زبان تھے اب تو یہ لائبریریوں، مکتبوں اور کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں! ہم کو بلا جھجک کہتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے بڑے کارنامے سرانجام دیئے، وہ ہمارے لئے مشعلِ راہ تھے، انہوں نے اتنی علمی میراث چھوڑی جس سے غیر بھی مستغنی نہیں، لیکن کیا یہ بھی معلوم ہے کہ انہوں نے کیا کیا چھوڑا؟ وہ ساری میراث ہمارے پاس محفوظ ہے؟۔ کسی ظالم نے چھینی تو نہیں؟۔ کتابوں کی ایک لمبی لائن پر نظر ڈال کر ہم نہیں جانتے کہ ہمارے آباء واجداد کی یادگاریں کونسی ہیں؟۔ اور کیسے معلوم ہوگا جبکہ ہم نفس کتاب پڑھتے ہی نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں؟۔ کہاں کے باسی تھے؟

بچھڑ کر رہ گیا کارواں اپنے رہبر سے

لیکن کیا یہ زمانہ یونہی گذرے گا؟۔ خوابِ غفلت سے آنکھیں کھلیں گی نہیں؟ ظلمت کی راتیں کٹیں گی نہیں؟ کیوں نہیں، کیوں نہیں؟۔

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

نوید سحر! اس کمزوری کا شدت سے احساس کرتے ہوئے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے وارث وناشر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ء) میں حدیث اور علوم حدیث میں گہری معرفت وبصیرت پیدا کرنے کے لئے ''**تخصص فی علوم الحدیث النبوی الشریف**'' کے نام سے الگ شعبے کا اجراء کیا، جو بحمد اللہ اب تک قائم ہے، اس کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں اس شعبے کا افتتاح کیا گیا، اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں بھی اس کا اجراء کیا گیا، یہی احساس لیئے صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، **شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ العالی** نے بھی ۱۴۲۵ھ میں اس کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اگرچہ جامعہ کے پروگرام میں

پہلے سے اس کا عنوان شامل تھا، الحمدللہ اب یہ سلسلہ پورے آب وتاب کے ساتھ جاری ہے۔

علوم حدیث کی باقاعدہ تربیت کی ضرورت واہمیت:

چنانچہ اب مواقع فراہم ہونے کے بعد عملاً اس طرف متوجہ ہونے کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ یہ خیال کر لینا کہ جب ضرورت پڑے تو مطالعہ کر کے اپنا مطلوب نکال لیں گے، صحیح نہیں۔

جب صرف ونحو اور منطق جیسے عام ومشہور فنون سمجھنے کے لئے کسی ماہر استاد کے سامنے بیٹھنا ضروری ہے تو وہ علوم جن کو دورِ حاضر کی علمی دنیا میں اجنبی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے وہ کیسے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے بغیر حاصل ہوں گے!؟

یہ خیال است ومحال است وجنوں!

یاد رہے! جن لوگوں نے علومِ حدیث سمجھنے میں فقط اپنے مطالعے پر اکتفا کیا ہے وہ ضلالت وگمراہی کی اس انتہا اور گہری کھائی میں جا پڑے ہیں جس سے نکلنے کا تصور بھی نہیں۔ علامہ شاطبیؒ اپنی کتاب الموافقات کے بارہویں مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

''علوم ہمیشہ اس علم کے محقق سے حاصل کرنا چاہیئے جس کو مہارتِ تامہ حاصل ہو، اس علم کے اصول وضوابط جانتا ہو، مقصود کی تعبیر پر قادر ہو، عمق، گہرائی اور رسوخ کے ساتھ ساتھ اس علم اور ان اصول پر وارد شدہ شبہات واعتراضات کی تردید اور تسلی بخش جوابات دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ راسخ علم بھی حاصل ہو جائے۔ صحبت بابرکت اختیار فرمائی اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو اپنایا حتیٰ کہ انہوں سمجھ لیا اور یقین کر لیا کہ وحی الٰہی ایسا حق ہے جس میں کوئی معاوضہ نہیں اور ایسی حکمت ہے جس کا قانون ناقابلِ شکست وریخت ہے، اس کے دائرہ کمال میں کہیں نقص کا گذر نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان میں ایک ''قل ھو اللہ'' پڑھنے والا اصحابی جس خوبی اور پختگی سے توحیدِ اسلام سمجھا ہوا تھا آج تیس پاروں کا حافظ اس کا عشرِ عشیر سمجھا ہوا نہیں''۔ (۳۳)

تمام لوگوں نے واقعاتی طور پر معلم کی ضرورت پر اتفاق کیا اور معلم کی ضرورت کا عام دستور ہی اس بات کی کافی شہادت ہے کہ اس کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''ان اللہ لایقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماء''. (۳۴).

ترجمہ: ''بے شک اللہ جل جلالہٗ علم کو لوگوں (کے سینوں) سے کھینچ کر نہیں سمیٹے گا، بلکہ علماء کو وفات دیکر علم کو سمیٹے گا۔''

کتابوں میں جو لکھا ہوا ہمیں نظر آتا ہے یہ سارا علم نہیں، بلکہ اس کے نقوش وتصاویر ہیں، جب تک مکمل رہنمائی ساتھ نہ ہو تو یہ مفید نہیں، مشہور ہے: ''کان العلم فی صدور الرجال ثم انتقل الی الکتب ومفاتیحہ بأیدی الرجال''.

ترجمہ: ''علم آدمیوں کے سینوں میں تھا پھر وہ کتابوں میں منتقل ہو گیا، پھر بھی اس کی چابیاں آدمیوں ہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں''۔

گویا محض کتابوں سے طالبِ علم کو کچھ حاصل نہیں ہوتا، جب تک اہلِ علم اس کو کھول کر نہ دکھائے، اور یہی کچھ دیکھنے میں آتا ہے۔

علم کی برکتیں معلم سے حاصل ہوتی ہیں: الفاظ میں اشتراک وترادف، حقیقت ومجاز اور عموم وخصوص کے احتمالات پھیلتے چلے جاتے ہیں: اس لئے محض لفظوں کی لوٹ پلٹ سے یقین تک رسائی نہیں ہوئی، محقق معلم ایک نکھری نکھرائی مراد متعلم کو بتا دیتا ہے پھر یہ کچھ قدرتی انتظام بھی ہے کہ ایک جماعت تشنہ لب دستِ حاجت دراز کیئے ہوئے تحصیل علم کے لئے آتی ہے تو اس اجتماع میں کچھ عجیب برکت پیدا ہوجاتی ہے۔ یعنی معلم میں افادہ اور متعلم میں ذہنی طور پر قوتِ استفادہ کچھ اس طرح رونما ہوجاتی ہے کہ علوم جس انداز سے کھلتے ہیں صرف اپنے مطالعے سے نہیں کھلتے۔ آخر یہ کیا بات تھی کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے دفن کے بعد ہی قلوب میں ایک تغیر محسوس کیا تھا؟! حضرتِ حنظلہؓ جب اپنے گھر آتے تو ان کے قلب میں یقین کی جو کیفیت آپ ﷺ کی صحبت میں ہوتی بدل جاتی: یہ انشراح ویقین سب اسی ملازمتِ نبی کا کرشمہ ہی تو تھا: (۳۵)۔

اس تربیت وصحبت کا اثر بعض صحابہ کرام پر تو عجب انگیز طریقے سے ہوا، ان کی قوتِ استفادہ اتنی ترقی کرگئی کہ بعض مرتبہ نزولِ وحی سے پہلے ہی وہ بجلی کی طرح دور سے لپک لیا کرتے، کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا کہ وحی الٰہی کا فیصلہ کل کیا ہوگا؟

مگر نورِ نبوت کے یہ تربیت یافتہ انوارِ صحبت سے لبریز مجلس میں بول اٹھتا اور جو وہ بولتا تمام وحی اسی کے موافق نازل ہوجاتی، صلاحیت وجواب رسی کی یہی وہ آخری منزل تھی جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوگیا ہوتا تو پھر خلعت اس کو پہنا دیا جاتا۔ (۳۶) یہ وہی ہے جس کو دنیا فاروقؓ کے نام سے جانتی ہے، ''صحاح'' کی روایات میں تو موافقاتِ عمرؓ کی تعداد تین ہی بتائی گئی ہے: مگر موافقاتِ عمر اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ بہرحال اگر حضرت عمرؓ اس ماحول کے سوا قرآنِ کریم کا مطالعہ کہیں اور رہ کر کرتے تو کیا یہ صواب رسی، یہ تو قد وتیقظ اور یہ ذکاء ان کو میسر آتا؟!

اضطراب کے بعد سکون:

دیکھئے! صلح حدیبیہ کا واقعہ ان کے اور دیگر صحابہ کرام کے لئے کتنا مشکل سبق تھا، فاتحانہ جرأت رکھتے ہوئے مفتوحانہ شرائط کو معقول سمجھنا اور ان کو قبول کرلینا کتنی کٹھن منزل تھی! پھر آپ کو بخوبی معلوم ہوگا کہ وحی الٰہی نازل ہوئی اور اس نے واقعہ کا نام ''فتح'' رکھا۔ نبی کریم ﷺ نے عمر فاروقؓ کو جو اس واقعہ میں سب سے زیادہ الجھن میں تھے بلایا اور وحی الٰہی پڑھ کر سنائی ہی تھی کہ ابھی ابھی کی وہ بے چینی اور اضطراب کہ طبیعت سنبھالے نہ سنبھلتی تھی اور اب صلح حدیبیہ کا فتح ہونا ان کا رگ وپے میں اتنا سما چکا تھا کہ تمام اضطراب وبے چینی کے بجائے سکون ہی سکون اور اطمینان ہی اطمینان تھا۔ (۳۷)

نبی کریم ﷺ کے حادثۂ وفات نے جو ہیجان ان کے سینہ میں برپا کردیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی موت کا نام لینے والے کا جواب شمشیر سے دینا چاہتے تھے۔ (۳۷)

مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا آیت ''وما محمد الا رسول'' پڑھنا تھا کہ یہ اور ان کے ساتھ بہت، سے مدہوش صحابہ ہوش میں تھے۔ (۳۹)

صحبت میں رہ کر جو علوم حاصل کئے جاتے ہیں ان میں اوّل تو شبہات پیدا نہیں ہوتے اور جو پیدا ہوتے ہیں وہ اسی طرح ظاہری و باطنی اثرات سے کوفور ہوتے رہتے ہیں۔

وعظوں سے: کتابوں سے، زر سے پیدا ۔ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

نئے فضلاء کی خدمت میں چند گذارشات:

دورہ حدیث شریف کر کے آپ میں وہ صلاحیتیں پیدا ہو چکیں جنکی بدولت آپ علمی میدان میں چل سکتے ہیں، اس لئے علم میں نکھار پیدا کرنے کے مواقع سے فائدہ اٹھائیں، یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ دورہ حدیث سے فارغ ہو کر ہمارے سامنے کوئی واضح ہدف نہ ہو اگر گناہوں کے اسباب اور ان سے پیدا کرنے والے بڑھ گئے، اہلِ کفر مضبوط اور اہلِ اسلام کمزور ہو چکے، اگر یہ ایک واقعہ ہے تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہلِ علم کے فرائض، کام کرنے کے مواقع اور قربانی کے مطالبے بھی بڑھ چکے ہیں، حیران وسرگرداں ہونے کے بجائے اکابر کے ماضی پر نظر رکھیں! کس طرح علم وعمل کے نمونے بنے تھے، ہر باطل کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے تھے، غلط نظریات، باطل افکار اور گمراہ عقیدوں پر کس طرح انہوں نے کاری ضربیں لگائیں؟

بنیادی صلاحیت:

اگر آپ نے پورا سال حدیث پڑھ کر مناسبت پیدا کر لی ہے، آپ ذوق وشوق کی بنیاد پر چل سکتے ہیں، بیدار مغز ہیں، آپ کے استعداد صحیح عبارت خوانی، ترجمہ ومطلب فہمی سے کچھ اوپر ہے، فن اور شخصیت پر بھی آپ کسی قدر بول سکتے ہیں تو اپنی صلاحیتوں کو بڑھائے، اس مبارک سلسلے کو جاری رکھیں اور کھرے کھوٹے کا فرق سمجھیں۔

البتہ عقیدہ کی درستگی اور اکابر سے عقیدت کے ساتھ مزاج میں اعتدال بھی ضروری ہے، کیونکہ علومِ حدیث منتشر اور متشتت امور کا مجموعہ ہے، اصولِ فقہ کی طرح متعین محدود خطوط نہیں بلکہ اس کے خطوط اور مآخذ ومراجع وہ شخصیات اور ان کی آراء ہیں جو باہم مختلف مزاج اور جداگانہ اسلوب وانداز کے حامل تھے، پھر ان کا طبقہ اور زمانہ بھی ایک نہیں شہر ومسکن بھی الگ الگ ہیں۔

ایک ہی آدمی ایک جگہ متساہل اور حاطب اللیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو دوسری جگہ وہی معتبر حوالہ سمجھا جاتا ہے۔ کبھی ایک شخص مجروحین کی صف میں نظر آتا ہے اور کبھی ثقاہف وعدالت کے منبر ومسند پر بٹھایا جاتا ہے، اس طرح کے مختلف فرق اور خصوصیات کو سمجھنا اور ہر شخص کے ساتھ موقع محل کے مطابق صحیح رویہ رکھنا! ایک معتدل مزاج، ارباب فن کا باہمی فرق سمجھنے والا اور اسلاف واکابر کا عقیدت مند ہی کر سکتا ہے۔

یہ مٹی زرخیز ہے:

مذکورہ اوصاف کے حاملین کی تعداد کوئی کم نہیں مگر ان کی صحیح رہنمائی، نگرانی اور حوصلہ افزائی کرنے والوں کی البتہ ضرور کمی ہے، ان کی برق رفتار صلاحیتوں کو صرف جھٹکا دینے کی ضرورت ہے۔ ان کو مستقبل کے اہداف، کام کے مواقع، منزل کی راہ دکھانے اور اس کے لئے

ضروری تیاری کرلینے کی گتھی سلجھانے کی ضرورت ہے، تاکہ جب وہ عملی میدان میں اتریں تو ہر ایک ایک داعی، مبلغ اور قائد و مربی اور کتاب وسنت کا صحیح ترجمان بن کر سامنے آئے، کسی قسم کا خوف دامن گیر نہ ہو، بلکہ سرمایۂ علم وکمال اور اثاثۂ سعادت و مال بہترین مستقبل کے اشاریئے کی صورت میں ان کے سامنے موجود ہو اور ہر میدان میں لڑنے کے لئے ان کو اسباب وہتھیار فراہم ہو۔

مولائے حکیم کی تقسیم ہے جس طرح رنگ وروپ اور مزاج وانداز، زبان وبیان میں فرق ہوتا ہے اسی طرح بنیادی صلاحیتوں میں بھی فرق ہوتا ہے، اساتذہ کرام جانتے ہیں کہ ان کے شاگردوں میں اچھی استعداد کے مالک کون ہیں؟۔ علماء راسخین، ربانیین اور محققین کی صف میں جگہ پانے کی صلاحیت کس میں پائی جاتی ہے؟۔ کون مستقبل میں بہتر طور پر مرجعِ خلائق بن سکتا ہے؟۔ علمی مشکلات کی گتھیاں سلجھا سکتا ہے؟۔

اس کے لئے ظاہر ہے وقت صرف کرنا ہوگا، قربانی بڑھانی ہوگی، والدین اور رشتے داروں کو صبر کی تلقین کرنی ہوگی، تاکہ یہ نئے فضلاء بھی اکابر واسلاف کی علمی امانتوں کے صحیح وارث اور جانشین قرار پاسکیں اور ان کی سنہری تاریخ میں ایک اور باب کا اضافہ کرسکیں۔

بجا، کہ رات ہے، لیکن سحر کی آس تو ہے — خیالِ صبح بہاراں، علاجِ یاس تو ہے
کوئی سنے نہ سنے ہم صدا لگائیں گے — قبول ہو، کہ نہ ہو، ان سے التماس تو ہے!

حوالہ جات :

۲۹. المدخل الی علوم الحدیث الشریف قدیمی کتب خانہ صفحہ نمبر ۲۱.

۳۰. المدخل الی علوم الحدیث الشریف ،قدیمی کتب خانہ ،صفحہ نمبر ۲۲.

۳۱. المدخل الی علوم الحدیث الشریف ،قدیمی کتب خانہ ،صفحہ نمبر ۲۳.

۳۲. المدخل الی علوم الحدیث الشریف ،قدیمی کتب خانہ ،صفحہ نمبر ۳۴.

۳۳. الموافقات للشاطبیؒ. ۳۴. مسند الامام أحمد بن حنبلؒ ، رقم الحدیث ، (۱۵۱۱) ۲/۵۹۶.

۳۵. فضائل أعمال (اُردو)شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور الله ،مرقدہٗ صفحہ نمبر ۳۰ ، کتب خانہ فیضی لاھور پاکستان. ۳۶. مسند الامام أحمد بن حنبلؒ ،رقم الحدیث ،(۱۸۵۴۰ ، ۵/۹۱۲).

۳۷. صحیح مسلم شریف ۲/۱۰۶ ، قدیمی کتب خانہ.

۳۸. المصنف لابن شیبۃؒ (۵۲۳۵) ۲۰/۵۶۹)رقم الحدیث ۳۸۱۹۱) کتاب المغازی ، مکتبہ ادارۃ القرآن والعلوم الا سلامیہ ، کراچی. ۳۹. صحیح البخاری ، (۳/۶۴۰ قدیمی کتب خانہ.

......☆☆☆☆☆......